برف پگھل چکی ہے

امر امیری

705/704، گرورام داس نگر ایکسٹینشن، لکشمی نگر، دہلی۔110092، موبائل:9868161711

پانی جذب ہوکر اپنی سطح پر پھیلتا ہے، اوپر اُٹھتا ہے اور اوپر، بے پناہ بلندی پر پہنچ کر پھسل کر دھڑام سے نیچے آجاتا ہے وہیں جہاں سے اُٹھا تھا۔ ہوا اپنی سطح بنائے بنا پھیلتی ہوئی، اوپر نیچے ہوتی ہر جگہ سما جاتی ہے۔ پھیپھڑوں میں گھس کر اپنا کام کرتی ہے اور نکل کر پھُر ہو جاتی ہے۔ کوئی جگہ خالی نہیں رہتی ہے آسماتی ہے جب اس کا جی چاہتا ہے۔ خبریں ہوا کے دوش پر اُڑتی ہوئی ایک کان میں سما کر دوسرے کان سے نکل کر خلا میں جذب ہو جاتی ہیں۔

''آج کچھ سنا تم نے۔''

''کل تک کی خبر تو تم نے ہی سنائی تھی۔ ایک دن میں کون سا طوفان آ گیا۔''

''یہ خبر مجھے کسی اخبار یا ٹی وی سے نہیں ملی ہے۔ یہ تو ہوا کے دوش پر اُڑتی ہوئی میرے کان سے ٹکرائی ہے۔''

''ایسی خبر کو افواہ کے زمرے میں رکھا گیا ہے۔ بے سر پیر کی باتیں۔''

''افواہ کیسے کہہ سکتے ہیں اسے۔ شکلا جی کی بیٹی نے اپنے کان سے سنی ہے یہ بات۔''

بڑی بوڑھیاں اپنے گھر سے نکلیں تو بات بڑھتی چلی گئی۔ لوگ ٹولیوں کی شکل میں ہر جگہ جمع ہونے لگے۔ اس میں جوان لڑکے لڑکیاں، ادھیڑ عمر والے اور بوڑھے سبھی تھے۔ دس بیس تیس پچاس، سروں کی تعداد بڑھتی ہی گئی۔ پھر لمبی قطاریں بغیر کچھ کھائے پیے، بوریا بستر لے کر رات ہی سے لوگ صبح کا انتظار کرنے لگے۔ پو پھٹی تو بھگدڑ سی مچ گئی۔ بے تحاشہ دوڑتے ہوئے سبھی آہنی دروازہ کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو گئے۔ ندی میں اچانک بڑھا ہوا پانی سطح ہموار سے اوپر اُٹھنے لگا۔

''بے موسم نہ جانے کہاں سے آ گیا اتنا سارا پانی۔ سیلاب کی سی حالت پیدا ہونے لگی ہے۔''

''کنارے پر بسے چھوٹے قد کے لوگوں کی جان پر آفت ہے۔ پانی تو پانی ہے اگر یوں ہی بڑھتا رہا تو نتھنوں میں بھری ہوا کی جگہ لے لے گا۔''

''یہ تو بڑی خطرناک صورت حال ہے۔ حد سے حد تین منٹ چاہئیں اِسے۔ گرم ہاتھ کی نبض ٹھنڈی پڑ جائے گی۔ اونچے قد والے تو ذرا سا ہاتھ پاؤں مار کر پار لگ جائیں گے.....''

''اور میانہ قد والے۔''

''گردن بھر پانی تو وہ بھی سہہ لیں گے۔ سطح اگر اور اُٹھی تو ان کا بھی وہی حشر ہوگا۔''

''کوئی جگہ دے دے بھائی بوڑھے بابا کو۔ یہ ٹھیک سے چل بھی نہیں پا رہے ہیں۔''

''کس نے کہا تھا انھیں اس بھیڑ میں سما کر قسمت آزمانے کے لیے۔''

''لگتا ہے کوئی بھی نہیں ہے ان کا۔''

''ہونے نہ ہونے سے کیا ہوتا ہے کوئی تھوڑے ہی مدد کر پائے گا۔ یہاں تو ہر آدمی کو اپنی پڑی ہے۔ پیٹ کی بھٹّی جو نہ کرائے۔ یہ تو ہر وقت سلگتی ہی رہتی ہے۔ اپنے لیے ایندھن مانگتی ہے۔ کون کہاں سے کیا لائے گا اس کی قطعی پروا نہیں اسے۔''''جیب روپے سے بھری پڑی ہے۔ پورا بازار گھوم آیا لیکن کچھ بھی خرید نہیں پایا، دوا بھی نہیں۔ ہر شخص یہی کہہ رہا ہے کہ اُن کی وقعت کاغذ کے ٹکڑوں سے زیادہ کچھ بھی نہیں۔ ایک کہنے لگا ہوا کھاؤ پانی پیئو اور جب جی چاہے اس میں ہاتھ پاؤں مار لو۔ موٹی چمڑی کی خارش بھی دور ہو جائے گی۔ دوا کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مخدوم کنڈ اور برہما کنڈ کی طرح ہر کنڈ پر لوگوں کی بھیڑ اکٹھی ہوگئی ہے گندھک کے پانی میں

ڈُبکی لگانے کے لیے۔''

''اس حال میں بھی پانی سر سے اونچا اُٹھ گیا تو....''

''کان لگا کر سنو خبروں کا بازار گرم ہے۔ ہر طرح کی ترکیب بھائی جارہی ہے اس آفت سے نپٹنے کے لیے۔ جس کو جو کہنا ہے کہہ لے ابھی بولنے کی پوری آزادی ہے۔ اگر یہ بھی چلی گئی تو کیا رہ جائے گا۔''

لوگ بلا روک ٹوک اپنی رائے کا اظہار کر رہے تھے اور بھیڑ تھی کہ بڑھتی ہی جارہی تھی۔

''اس چھوٹی سی جگہ میں اتنے لوگ کہیں یہ کال کوٹھری نہ بن جائے۔ باہر اعلان کردو ایک ساتھ صرف پانچ کو ہی اندر داخل ہونا ہے۔''

کوٹ ٹائی والے افسر نے فرمان جاری کر دیا۔ ابھی ان کی ایک ایک بات کی اہمیت تھی۔ آگے پہنچنے کی کوشش میں سب کی سانس میں تیزی آ گئی۔ پھیپھڑے پھولنے پچکنے کے عمل میں مصروف ہو گئے۔

''یہ ہوا نہ جانے کہاں کہاں سے خبریں اُڑا کر اپنے ساتھ لے آتی ہے۔ سات سمندر پار کی باتیں پل بھر میں کان میں گونجنے لگتی ہیں۔''

''ٹرمپ امریکہ کے نئے صدر بن گئے۔''

قطار میں کھڑے اپنی باری کا انتظار کر رہے ایک نوجوان نے موبائل جیب میں ڈالتے ہوئے چونکانے والے انداز میں کہا۔

''بھائی یہ ٹرمپ کون ہے۔ کس محلے میں رہتا ہے۔''

معمولی کپڑے زیب تن کیے قطار میں لگے ایک آدمی نے اپنی معلومات میں اضافہ کرنا چاہا۔

''یہ للّن حلوائی کا بڑا بیٹا ہے۔ اپنے باپ کی طرح موٹا تازہ۔ جھنڈے والان میں اونچائی پر اس کی دکان ہے۔''

پیچھے کھڑے کسی نے چٹکی لی۔

''پرانے نوٹ بدل جائیں تو اس کی دکان سے ہینگ والی کچوڑی اور بندی کے لڈو کھائیں گے۔ کیا بناتا ہے انگلیاں چاٹتے رہو۔''

آگے پیچھے کے لوگوں نے اس کی معصومیت کا فائدہ اُٹھاتے ہوئے شگوفہ چھوڑا۔

''چلتے وقت مجھے بھی ساتھ لے لینا کھا کر دیکھیں سچ مچ ایسا ہی بناتا ہے یا مفت کی شہرت بٹور لی ہے۔''

''بھائیو آگے بڑھتے رہو۔ ان فضول کی باتوں میں الجھ کر دماغ خالی نہ کرو۔ دھوپ میں بے طرح چبھن ہے۔ نومبر کے مہینے میں سب کے پسینے چھوٹ گئے۔ وقت کم رہ گیا ہے اور قطار ہے کہ آگے بڑھنے کا نام نہیں لے رہی ہے۔ بابوؤں کا کیا ہے ہر وقت نظر گھڑی کی سوئی پر ٹکی رہتی ہے وقت ہوتے ہی چلتے بنیں گے۔''

قطار میں کھڑے لوگ بے لگام وقت پر قابو پانے کے لیے اپنی منطقی اور دلچسپ باتوں کا سہارا لے رہے تھے۔ وہ وقت کو ایک دم سے قید کر لینا چاہتے تھے تاکہ آہنی دروازہ بند ہونے سے پہلے کسی طرح ان کی باری آ جائے۔ اس وقت ندی بپھری ہوئی تھی اور اس کا پانی اُچھالیں مار کر اونچے پشتے کو پھلانگ رہا تھا۔

میرے ہوش میں پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا اس موسم میں۔ لگتا ہے برف زیادہ ہی پگھل گئی ہے۔ اس طرح تو ہمالہ اپنی اونچائی کھو بیٹھے گا۔''

ایک شخص نے اس بے موسم سیلابی حالت کا جائزہ لیتے ہوئے کہا۔

''جو نہیں ہوا ہے وہ اب ہوگا۔ سورج دن بدن زمین کے قریب آتا جارہا ہے یا یوں کہیں کہ زمین سورج کی طرف کھنچتی چلی جارہی ہے۔ کچھ دنوں میں ان کے بیچ کا فاصلہ سوا نیزے کا ہو کر رہ جائے گا۔ پہاڑ روئی کا گالا بن کر اُڑ جائیں گے اور زمین تانبے کی ہو جائے گی۔ ذرا سوچئے اس کے بعد کیا ہوگا۔''

لمبی سفید داڑھی والے بزرگ کی باتوں سے وہاں چند لمحے کے لیے خوف طاری ہو گیا۔

''کل جگ میں ایسا اُلٹ پھیر تو ہونا ہی ہے۔ ایسے واقعے کہ عقل ماننے کو تیار نہ ہو۔ کوّے معصوم بچوں کی روٹی پر تو جھپٹتے ہی تھے اب لوگوں کے قیمتی موتی اُچک کر نگلنے لگے ہیں۔ انگور کی اونچی بیل پر بیٹھ کر شان سے رس چوستے ہیں اور نیچے کھڑی لومڑی اُن کے منہ تکتی ہے۔ بڑا بُرا وقت آ گیا ہے اس کلجگ میں۔''

کسی نے اپنے انداز میں بزرگ کی نصیحت آموز باتوں کی تائید کی۔ قطار میں کھڑی ٹولیوں کی الگ الگ باتیں تھیں۔ بولنے کی آزادی میں اگر نہ بولیں تو کریں کیا۔ اندر کڑھنے سے تو بہتر ہے کچھ

کہہ کر دل کی بھڑاس نکال لی جائے۔ کام سے زیادہ بات کرنا بھی ایک فن ہے۔ یہاں اس میدان میں ایک سے بڑھ کر ایک ماہر اپنے کرتب دکھانے میں مصروف ہیں۔ ہوا سب کی باتیں کان میں اُنڈیل رہی ہے اور ذہن اُن کی تہہ تک پہنچنے میں لگا ہوا ہے۔

ندی کا پانی پشتے کو لانگ کر ڈھلان کی طرف بڑھنے لگا تھا۔ اس میں اتنی تیزی تھی کہ نیچے سڑک تک پہنچنے میں ذرا بھی دیر نہیں لگی اور وہاں کی سطح ہموار ہونے کی وجہ سے ہر طرف پھیلنے لگا۔ سب کے پائینچے مٹیالے پانی میں لت پت ہوگئے۔ اس حال میں بھی لوگوں نے قطار بنائے رکھنے میں عافیت محسوس کی لیکن جب ان کی نظر پانی کی سطح پر تیر رہے نوٹوں پر پڑی تو وہ خود پر قابو نہیں رکھ پائے۔ چند قناعت پسندوں کو چھوڑ کر سبھی ان پر ایک دم سے ٹوٹ پڑے۔ دیکھتے دیکھتے ان کی جیب بھیگے نوٹوں سے بھر گئی۔ ہر ایک اپنی شناخت چھپائے رکھنے کے لیے وہاں دبے پاؤں چلتا بنا۔ قطار میں رہ گئے لوگوں نے اطمینان کی سانس لی۔ اب انھیں اپنی کامیابی اُمید بن کر جھلکنے لگی تھی۔ بوڑھے بابا نے بھی کسی طرح قطار میں آگے اپنی جگہ بنالی تھی۔ ان کے کانپتے ہاتھوں میں پڑا رنگین لفافہ یہ ظاہر کر رہا تھا کہ ان کے یہاں کوئی اہم تقریب ہے۔ کاؤنٹر پر پہنچ کر روپے لینے کی جب ان کی باری آئی تو بتایا بیٹی کی شادی کو صرف دو دن رہ گئے ہیں۔ انھیں روپے کی سخت ضرورت ہے نہیں تو تمام کام دھرا کا دھرا رہ جائے گا۔ جواب میں کاؤنٹر پر بیٹھے شخص نے بتایا اب تک کافی روپے دیے جا چکے ہیں اس وقت اتنی بڑی رقم انھیں نہیں مل پائے گی۔ اتنا سننا تھا کہ بوڑھے بابا تلملائے اور غش کھا کر گر پڑے۔ دوسرے کاؤنٹر پر لگے لوگ ہر طرف سے دوڑ پڑے۔ کسی نے چہرے پر پانی کا چھینٹا مارا۔ جب ہوش آیا تو سہارا دے کر انھیں گیٹ سے باہر لایا گیا۔ اس افراتفری میں بھی ایک بھلے آدمی نے انھیں گھر تک پہنچایا۔

دوسرے دن شادی کی رسم میں گھری بیٹی کے کندھے کے سہارے جب وہ نوٹ بدلوانے وہاں پہنچے تو دیکھا پچھلے دن کی بہ نسبت بھیڑ چوگنی ہوگئی تھی۔ غالباً ہر گھر سے چار افراد آئے ہوں گے۔ سڑک پر لگی قطار پہلے سے کہیں زیادہ لمبی اور پر پیچ تھی۔ اس حالت میں کاؤنٹر تک پہنچ کر نئے نوٹ حاصل کرنا ایک بڑا معرکہ سر کرنا تھا۔ سڑک کی دوسری طرف پشتے پر لوگوں کا اتنا ہی بڑا جمگھٹا تھا۔ سبھی اس انتظار میں تھے کہ ندی میں ایک بار پھر اُچھال آجائے اور کہیں سے بہتے ہوئے ڈھیر سارے پرانے نوٹ آجائیں تو بات بن جائے۔ اس وقت ندی کا بہاؤ رُک جانے سے پانی گہرائی میں سمٹ گیا تھا۔ شاید برف پگھل چکی تھی۔

○○

سفرناموں میں دلّی

''سفرناموں میں دلی'' برسوں پرانی دلّی کی کھوج، تلاش اور اس کے دھندلے خدوخال کو اجاگر کرنے کی بھرپور کوشش ہے کہ ماضی میں سفر کی معلومات حاصل کرنے کے لیے کیا کیا کیا جاتا تھا جب کہ آج سفر کے لیے پہلے سے معلومات حاصل کر لی جاتی ہیں۔

ڈاکٹر تنویر احمد علوی نے سفرناموں اور اس کتاب کے حوالے سے دلّی کی کوئی مربوط تہذیبی تاریخ مرتب نہیں کی انھوں نے اس بات کی کوشش کی ہے کہ عہدِ تغلق سے عہدِ ظفر تک سیاحوں نے جس رنگ میں، جس حالت میں، جس آن بان اور جلال و جمال کے عالم میں دلّی کو دیکھا وہ ہماری آنکھوں میں بھی عکس بن کر تیرنے لگے۔ دلّی نے پچھلی چھ سات صدیوں میں کیا کیا انقلابات دیکھے، کس کروفر اور عروج و زوال کے شب و روز اس پر گزرے وہ کافی کچھ اس کتاب میں سمٹ آیا ہے۔ یہ کتاب اکادمی نے ۱۹۹۴ء میں دو جلدوں میں شائع کی تھی۔ اب اسے نئے سرے سے کمپیوٹر کے ذریعہ کمپوز کرا کر ایک ہی جلد میں شائع کیا گیا ہے۔

مترجم و مرتب: ڈاکٹر تنویر احمد علوی، صفحات: ۴۳۸، قیمت: ۱۵۰ روپے

ناشر: اردو اکادمی، دہلی